قیام پاکستان کے بعد شاہ صاحبؒ نے ایک تقریر میں فرمایا کہ مسجد بن جائے تو اسے ڈھایا نہیں کرتے، اس کی حفاظت کیا کرتے ہیں اور اب پاکستان میرے لئے ایک مسجد کی طرح ہے جس کی حفاظت مجھ پر لازم ہے اور انہوں نے اپنا یہ عزم نبھایا بلکہ ان کی قابلِ فخر اولاد بھی پاکستان کو اسلام کا حقیقی قلعہ بنانے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ دراصل ایک طویل عرصے کے مشاہدے اور تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام سے محبت رکھنے والا کوئی بھی شخص پاکستان کا بدخواہ نہیں ہو سکتا چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج اندرون ملک اود بیرون ملک پاکستان کے خلاف جتنی بھی سازشیں ہو رہی ہیں، ان کے پیچھے اسلام دشمن ذہن کارفرما ہے، مجلس احرار اسلام کو قیام پاکستان کے ضمن میں جو اختلاف تھا، وہ بھی اسلام کی محبت ہی میں تھا مگر آج متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کی سب سے "لبرل" جماعت کانگریس، مسلمانوں اور ان سے متعلق ہر چیز کو جس طرح انتقام کا نشانہ بنا رہی ہے، اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مسلم لیگ کی سیاسی بصیرت ایک ڈوبتے سفینے میں سے کم از کم دس کروڑ افراد کو بچا لینے میں کامیاب ہو گئی۔ میرے نزدیک سفینے کے باقی مسافروں کو بھی بچایا جا سکتا ہے بشرطیکہ ہم اتنے طاقتور ہو جائیں کہ موجوں کو سرکشی کی جرات ہی نہ ہو۔ پاکستان کے موجودہ حالات میں یہ بات شاعر کا خواب لگتی ہے مگر ایک شاعرؒ کا خواب ۱۹۴۷ء میں پورا ہو گیا تھا، اس کی باقی حسین تعبیریں بھی انشاء اللہ ایک دن ضرور سامنے آئیں گی۔

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ امیر شریعتؒ کو میں نے اپنی ہوش کی آنکھوں سے نہیں دیکھا کیونکہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا، انہیں صرف اپنے خاندان کے ایک فرد کے طور پر جانتا اور یا پھر انگریز استعمار کو ناکوں چنے چبوانے والے ایک شعلہ نوا خطیب اور ایک عظیم المرتبت حریت پسند کے طور پر، جس نے برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے راہ ہموار کی۔ البتہ حضرت شاہ صاحبؒ کو میں نے ان کی آخری عمر میں سلطان فونڈری والے اپنے عزیز دوست عارف مرحوم کے گھر دیکھا مگر اس وقت نہ وہ مجھے پہچان سکتے تھے اور نہ میں انہیں پہچان سکتا تھا۔ گھر والے شاہ صاحبؒ کا جو سراپا بیان کرتے تھے یا میں نے ان کی جو تصویریں دیکھی تھیں، انہیں ذہن میں لانے کے بعد میں شاہ صاحبؒ کو پہچاننے میں کامیاب ہوا، یوں انہیں پہچاننے میں مجھے کچھ دیر لگی۔ مجھے یقین ہے کہ خواہ مزید کچھ دیر لگے مگر پاکستانی قوم بھی ایک دن شاہ صاحبؒ کو ضرور پہچانے گی کہ قیام پاکستان کے لئے بالواسطہ طور پر راہ ہموار کرنے والے تحریک آزادی کے یہ رہنما بھی ہمارے محسن ہیں اور اپنے محسنوں کو جو قوم جتنی جلدی پہچانے، اس کے لئے یہ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے! (مجلس احرار اسلام لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی برسی میں پڑھا گیا)

(بشکریہ نوائے وقت ملتان ۲۷ر اگست ۱۹۸۹ء)

قمر الحسنین قمر

شیطان تو ہوگا

جہاں اُبوا ، ثقافت ہو وہاں حیوان تو ہوگا
جہاں مخلوط صنفیں ہوں وہاں شیطان تو ہوگا
جہاں عجمی قیادت ہو وہاں غلمان تو ہوگا
جہاں جھوٹی سیاست ہو وہاں خفقان تو ہوگا

جاوید الہ آبادی

زمانے کو بدل دیتے ہیں

چٹکیوں میں دلِ سرکش کو مسل دیتے ہیں
حق نگر فتنۂ باطل کو کچل دیتے ہیں
تم کو زمانے نے بدلا ہے تو کیا اس میں کمال
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

سید محمد ارشد بخاری (ایڈووکیٹ)
احمد پور شرقیہ

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء ایک تاریخ ساز دن

۷ ستمبر! جی ہاں ، ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کے سب سے بڑے قانون ساز ادارے قومی اسمبلی کے اراکین نے متفقہ طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ منکرین ختم نبوۃ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف ۱۹۷۴ء میں ہی عوام نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ کیا تھا۔ یا یہ مطالبہ پرانا تھا۔ کیا اس سے پہلے بھی کوئی تحریک اٹھی تھی؟ جس نے عوام کے دلوں میں مرزائیوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر دیئے ہوں؟ — جی ہاں — تحریک اٹھی تھی۔ لیکن کب؟ — کیوں؟

اے کاش ان سوالات کے جوابات سے نئی نسل کو آگاہ کیا جاتا۔ کوئی مؤرخ اس تحریک کے آغاز سے اختتام تک کے حالات قلمبند کر کے عوام کو اس سے آگاہ کرتا۔ لیکن بدقسمتی تو یہ ہے کہ وہ تاریخ ساز شخصیتیں جن کی کوششوں سے برصغیر کو انگریز سامراج کی غلامی سے نجات ملی اور سارقین ختم نبوت اپنے انجام کو پہنچے۔ انھیں نظر انداز کر دیا گیا اور ظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ ان کا ذکر تک غداروں کی طرح کیا جاتا ہے اور جن لوگوں نے اپنی ساری عمر انگریز "بہادر" کی چوکھٹ پر جبہہ سائی کی وہ آج راہنما ہیں۔

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھئے
منزل انھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

برصغیر میں انگریز تجارت کی غرض سے آیا اور اس ملک کا حکمران بن بیٹھا۔ اپنے جبر اور استبداد کی قوت کے بل بوتے پر اس نے ہندوستان کی آزاد قوم کو غلام بنا لیا۔ آخر قوم کب تک ظلم برداشت کرتی انگریز کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، مسلمان متحد ہو گئے۔ انگریز کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آیا۔ تو اس نے مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی۔ جس نے تحقیقات کے بعد اپنی رپورٹ میں لکھا کہ:

"جب تک مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ جہاد موجزن ہے۔ اس قوم کو تسخیر کرنا مشکل نظر آتا ہے نیز یہ کہ مسلمان قوم پیر پرست ہے۔ اگر انھیں میں سے کوئی شخص انگریز کو وفادار مل جائے جو جہاد کو منسوخ

کرے اور نبوت کا اعلان کر دے تو مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا ہو سکتا ہے۔"

چنانچہ انگریز کو قادیان میں ایک شخص غلام احمد نامی مل گیا۔ جس نے اپنے انگریز آقا کے اشارے پر یکے بعد دیگرے مجدد، محدث، مسیح موعود، ظلی و بروزی نبی اور بالآخر اصلی نبی ہونے کا دعویٰ کر کے اُمتِ محمدیہ میں انتشار پیدا کر دیا جہاد کو منسوخ قرار دیا اور جملہ مسلمانوں کو جو اس کی سرکاری نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے کافر قرار دیا۔ علماء کرام نے تعاقب شروع کیا۔ مناظرے ہوتے — لیکن کب تک؟ — اُسے تو انگریز کی سرپرستی حاصل تھی۔ مناظروں سے کام کیسے چلتا — آخر یہ مرتد جب واصل جہنم ہوا تو اس کے چیلے پر پھیلانے لگے۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک شخص جسے اب لوگ امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میدان میں نکلا۔ جس کی آواز میں جادو تھا اور جس کے سامنے جعلی نبوت کا چراغ بجھتا ہوا نظر آتا تھا جو بولتا تو اس کی تقریر سننے کے لئے پرندے ٹھہر جاتے۔ ہوائیں رک جاتیں۔ وہ شعر پڑھتا تو انسان تو انسان درخت بھی جھومنے لگتے۔

اللہ تعالیٰ کے اس شیر نے اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوۃ کے تحفظ کا عزم کیا۔ وہ میدانِ عمل میں آیا تو اس کے عین شباب کے دنوں ہندوستان کے قصبہ کادیانؔ میں جہاں عملاً مرزائیوں کی حکومت تھی وہاں کسی مسلمان کو کاروبار کرنے کی اجازت نہ تھی یہ حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان باوقار کا شہزادہ امیر شریعت آخر کب تک برداشت کرتا۔ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۳۴ء میں مجلسِ احرار اسلامؒ کے زیر اہتمام کادیانؔ میں جلسہ کا پروگرام رکھا۔ اس وقت انگریز اور اس کے خود کاشتہ پودے کے خلاف بولنا دار و رسن کو آواز دینے کے مترادف تھا اور حق بات کہنے کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں لیکن حکومت کی زبردست رکاوٹوں اور تشدد کے باوجود امیر شریعتؒ "کادیان" میں داخل ہوئے۔ لاکھوں کے اجتماع سے خطاب کیا۔ جعلی نبوت کے تار و پود بکھیرے اپنے نانا کا سچا دین۔ دینِ اسلام بیان کیا اور وہاں سب سے پہلے مولانا ظفر علی خاں نے ایک قرارداد پیش کی، جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے — اس سب سے پہلے پیش کی جانے والی قرارداد نے بہت کام دیا۔ مسلمان راہنماؤں نے مرزائیت کے فتنہ سے قوم کو آگاہ کیا ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا کہ:

(میں نے مرزائیوں کو حضور سرورِ کائنات کے متعلق بے ادب پایا اور آنحضرتؐ کے بارے میں انکی زبان سے گستاخانہ کلمات سنے ہیں۔)

یہ تحریک کادیانؔ سے ۱۹۳۴ء میں اُبھری تھی۔ اب جابجا جلسے ہونے لگے تھے ملک میں عظیم دینی و سیاسی جماعت "مجلس احرار اسلامؒ" نے اپنے سٹیج پر انگریز کے ان ایجنٹوں کی خوب خبر لی۔

پھر پاکستان قائم ہو جانے کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ اسلام کی خاطر وجود میں آنے والے اس ملک میں بغیر کسی مطالبے اور تحریک کے ان غدار مرزائیوں کو عبرتناک سزا دی جاتی تاکہ پھر کوئی مخبوط الحواس شخص نبوۃ کا دعویٰ کرنے کی جرأت نہ کر سکتا۔ لیکن یہاں تو الٹی گنگا بہنے لگی۔ قیام پاکستان سے قبل کئے گئے وعدے فراموش کر دیئے گئے اسلامی اقدار کا مذاق اُڑایا گیا۔ دین دوستوں پہ غداری کا لیبل چسپاں کر دیا گیا۔ اور نظم ونسق حکومت کو چلانے کی خاطر جو پہلی کابینہ قائم ہوئی اس میں جوگندر ناتھ منڈل نامی ہندو وزیر قانون تھا اور مرزائی گرو گھنٹال ظفر اللہ وزیر خارجہ۔

ظفر اللہ نے اپنے اس عہدے سے خوب فائدہ اٹھایا اس نے نہ صرف مرزائیت کو فروغ دیا۔ بلکہ مرزائیت نوازی میں اتنا خود سر ہو گیا کہ اس نے اپنے محسن قائد پاکستان جناب محمد علی جناحؒ کا جنازہ تک نہ پڑھا۔ بلکہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہا:

"یا تو مجھے ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھا جائے یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر"

اسی اثنا میں جب مرزائیوں کی سرگرمیاں حد سے بڑھنے لگیں تو ۱۹۵۳ء میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کر میدانِ عمل میں دیوانہ وار کودپڑے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا اور حکومت کے سامنے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ پیش کیا۔ لیکن حکمرانوں نے ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا اور اس مطالبے کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنی دنیاوی طاقت کے بل بوتے پر اس مقدس تحریک ختم نبوۃ کو دبانے کی کوشش کی۔ لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ بعض اوقات کرفیو لگانے کی نوبت بھی آئی۔ قائدین تحریک کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ نہتے عوام پر گولیوں کی بارش کی گئی اور لاہور کی سڑکیں شہیدانِ ختم نبوۃ کے لہو سے سرخ ہو گئیں۔ کئی ماؤں نے اپنی آنکھوں سے اپنے لختِ ہائے جگر کے سینے حکمرانوں کی گولیوں سے چھلنی ہوتے دیکھے تو اُن کی بینائی انہیں خیر باد کہہ گئی۔ کئی دلہنوں کے سہاگ اُجڑ گئے۔ کئی بہنیں اپنے بھائیوں کے انتظار میں بیٹھی انکی راہ دیکھتی رہیں۔ لیکن انکے بھائی تو شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کر چکے تھے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار افراد اس مقدس تحریک میں شہید ہوئے اور بقول مجاہد ختم نبوۃ آغا شورش کاشمیری مرحوم جس صبح دولتانہ وزارت برخاست کی گئی اس رات گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں سکندر مرزا کا ایک ہی بول تھا:

"مجھے یہ نہ بتاؤ کہ فلاں جگہ ہنگامہ فرو ہو گیا یا فلاں جگہ مظاہرہ ختم کر دیا گیا

مجھے یہ بتاؤ کہ وہاں کتنی لاشیں بچھائی ہیں۔ کوئی گولی بیکار تو نہیں گئی ـــــ"

یہ الفاظ سکندر مرزا کی وحشت و بربریت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ لیکن حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ "میں نے تحریک ختم نبوۃ ۱۹۵۳ء میں ہر مسلم کے دل میں ایک ایٹم بم چھپا دیا ہے۔ جب وہ وقت پہ پھٹے گا۔ تو مرزائیت اپنی موت آپ مرجائیگی۔"

وقتی طور پر تشدد کے سبب تحریک ختم ہوگئی تو مظلوموں کے زخموں پر نمک پاشی کرنے کے لئے اسے "فسادات پنجاب" کا نام دیکر انکوائری کرائی گئی۔ پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر منیر کی چیئرمین شپ میں کمیشن قائم ہوا۔ لیکن اس کمیشن نے کیا انکوائری کی؟

ڈاکٹر جاوید اقبال خلف الرشید علامہ اقبالؒ اپنی ایک نظریاتی کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو اسلام کیخلاف خود مسلمان ججوں کے قلم سے نکلی ہے اس کی اشاعت روک لی جاتی۔ اس کتاب کا ضبط کیا جانا ہی بہتر ہے آج تک نفسِ اسلام کے خلاف دنیا کے اسلام میں ایسی دستاویز شائع نہیں ہوئی۔ یہ سب سے بڑی تحریر ہے جس میں دو مسلمان ججوں نے مسلمانوں کی رسوائی کا سامان کیا ہے۔"

(تحریک ختم نبوۃ مصنفہ آغا شورش کاشمیری)

جن لوگوں نے اس تحریک کو کچلا تھا وہ بھی ذہنی سکون سے محروم ہوگئے۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ مجھے سردار عبدالرب نشتر نے خود بتلایا ہے کہ:

"جن لوگوں نے شیدایانِ ختم نبوۃ کو شہید کیا۔ اور اُن کے خون سے ہولی کھیلی میں اندرخانہ کے رازدار کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ اُن پر کیا بیت رہی ہے؟ اور وہ کن حادثات و سانحات کا شکار رہے ـــــ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کا اطمینان سلب کر لیا ہے اور اُنکی روحوں کو سرطان میں مبتلا کر دیا ہے۔"

یہ تو حکمرانوں کا حال تھا لیکن بعض لیڈروں نے بھی حکمرانوں سے اندرخانے مل کر تحریک کو کچلوانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور تحریک کے بعد زور و شور کے ساتھ اس بات کی منادی کی گئی کہ کیونکہ تحریک چلانے والے مخلص نہ تھے اور سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے تحریک کامیاب نہ ہوسکی۔ چودھویں صدی کے خود ساختہ "مجدد" جناب مودودی

صاحب اس بارے میں پیش پیش تھے وہ اپنا دامن بچانے کی خاطر مجلسِ احرار اسلام اور حضرت شاہ جیؒ کے پاک دامن کو داغدار بنانا چاہتے تھے وہ خود ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک میں شامل تھے۔ لیکن عین وقتِ امتحان پر اپنی سابقہ روایات کے مطابق جواب دے گئے۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے اور اُلٹا ہیرو بننے کے خواب دیکھنے لگے تو حضرت امیرِ شریعتؒ نے لائلپور تبلیغ کانفرنس میں خطاب کے دوران ان لوگوں کو للکارا اور کہا:

یا اللہ! تحریکِ ختمِ نبوت میں شمولیت سے اگر میرے دل میں خلوصِ نیت کے علاوہ رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی ایسا خیال تھا کہ تحریکِ ختمِ نبوت کے ذریعے سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے تو مجھ پر اور میرے اہل و عیال پر غضب نازل ہو۔"

اس کے بعد فرمایا:

مودودی صاحب کراچی کنونشن میں میرے گھٹنے سے گھٹنہ ملا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں راست اقدام کا ریزولیشن پاس ہوا جس پر سینکڑوں علماء سمیت انہوں نے دستخط کئے اور وہ کاغذ منیر انکوائری کمیٹی میں بھی پیش ہو چکا ہے۔ وہ آخر دم تک تحریک میں شامل رہے اگر وہ کہتے ہیں کہ وہ تحریک میں شامل نہیں تھے تو میں انہیں "**دعوتِ مباہلہ دیتا ہوں**" اس کے باوجود یہ لوگ خاموش نہ ہوئے اور یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ آخر تحریک میں شہید ہونیوالوں کا ذمہ دار کون ہے؟ ان کے لہو کا جوابدہ کون بنے گا۔ تو حضرت امیرِ شریعتؒ نے ببانگِ دہل اعلان کیا کہ "جو لوگ تحریکِ ختمِ نبوۃ میں جہاں تہاں شہید ہوئے اُن کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔ وہ عشقِ رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبۂ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے ہیں اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں۔ اُن سے کہتا ہوں کہ حشر کے دن بھی ان کے خون کا میں ذمہ دار ہوں گا۔ وہ عشقِ نبوتؐ میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ ہو گئے لیکن ختمِ نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ آخر حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی تو اسی ختمِ نبوت کے تحفظ کی خاطر نبوت کی گود میں پلے ہوئے دس ہزار حافظِ قرآن صحابہ کرامؓ شہید کرا دیئے تھے۔"

———— شاہ جیؒ کے اس دارِ فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد بلاشبہ اس تحریک کو دھچکا سا لگا لیکن احرار کارکن کہا کرتے تھے کہ:

شاہ جی کی وفات کے بعد ہم یتیم ضرور ہو گئے ہیں مگر بے غیرت نہیں ہوئے۔"

وقت گزرتا گیا اور پاکستان کی تمام سیاسی و دینی جماعتوں نے مسئلہ ختم نبوت سے اغماض برتا وہ اسے پرانا مسئلہ کہہ کر ٹالتی رہیں۔ صرف ایک دینی و سیاسی جماعت "مجلس احرار اسلام" باقی تھی جس نے اپنے آپ کو مسئلہ ختم نبوت سے وابستہ رکھا یہ جماعت اور ختم نبوت کا تحفظ لازم و ملزوم بن گئے۔ حالات نے پلٹا کھایا تو وہ وقت بھی آن پہنچا جب اس ملک میں برسر اقتدار پارٹی کے غیر جمہوری ہتھکنڈوں کے سبب اُسے زیر کرنے کی خاطر یہاں کی تمام سیاسی جماعتوں نے "متحدہ جمہوری محاذ" قائم کیا لیکن جب مجلس احرار کی تحریک پر جمہوری محاذ نے اپنے پروگرام میں مسئلہ ختم نبوت کو شامل نہ کیا تو مجلسِ احرار اسلام محاذ سے علیحدہ ہو گئی اب صرف احرار ہی باقی تھے۔ جنہوں نے ہر محاذ پر مرزائیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ امیر شریعتؒ کے بعد ان کے چاروں فرزند جو عالم باعمل اور حافظ قرآن ہیں اور اپنی شعلہ بیانیوں سے ختم نبوت کے چراغ کو روشن رکھا۔ حتیٰ کہ ایک دن شاہ جیؒ کے فرزند اکبر مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری نے نام نہاد مذہبی افراد سے جلسۂ عام میں کہہ دیا کہ مسئلہ ختم نبوة پر مولویوں کی اجارہ داری نہیں اب یہ مسئلہ مسجد اور مدرسے سے نکل کر سکول۔ کالج اور یونیورسٹیوں میں پہنچ چکا ہے اور انشاء اللہ یہ مسئلہ گلیوں۔ کوچوں۔ سڑکوں سے گزرتا ہوا ایوانِ اقتدار تک ضرور پہنچے گا اور شہداء کے ختم نبوة کا سرخ لہو ضرور رنگ لائے گا۔ آپ نے جذباتی انداز میں ایک بصیرت افروز مدلل تقریر میں نوجوانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"نوجوانو! تحریکِ ختم نبوت کی چابیاں تمہارے ہاتھوں میں ہیں
تالہ کھول دو، نہیں کھلتا تو توڑ دو۔"

جانشین امیر شریعت کے یہ الفاظ الہامی ثابت ہوئے اور ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء کو تشدد کا نشانہ بنا کر مرزائیوں نے اپنے لئے خود آگ کا گڑھا تیار کیا۔ یہ خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہر شہر میں ہنگامے ہوئے ہڑتالیں ہوئیں جلسے منعقد کئے گئے اور بعض جگہوں پر پولیس جوتوں سمیت مساجد میں گھسی۔ ختم نبوت کے پروانوں کو اپنی لاٹھیوں کا نشانہ بنایا۔ گرفتاریاں بھی ہوئیں لیکن علمبرداران توحید و ختم نبوت کو نہ خریدا جا سکا۔ مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ وزراء نے اس کے خلاف بیان دیئے دوسری طرف تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں نے "مجلسِ عمل برائے تحریک ختم نبوة" قائم کی۔ طالب علم تنظیموں نے جلسہ ہائے عام منعقد کئے۔ تحریک طلباء اسلام کی طرف سے ملک کے کونے کونے میں جلسے کئے گئے تحریک کے